

مرنے کا قانونی حق

ڈاکٹر عطاء الرحمن

پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن

بِسْمِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن (PIMA) وہ
تنظیم ہے جو مسلم ڈاکٹروں کو منظم کرتی ہے، ان کی فکری، اخلاقی
اور پیشہ ورانہ تربیت کا انتظام کرتی ہے، ملک میں صحت کی بہتر
پالیسی اور طبی تعلیم کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے کی کوشش کرتی
ہے، عوام الناس سے رابطے کو دین کی دعوت کے لیے استعمال
کرتی ہے اور میڈیکل پروفیشن سے متعلق خدمتِ خلق کے
پروگرام وضع کرتی ہے۔

مرنے کا قانونی حق

ڈاکٹر عطاء الرحمن

زیر اہتمام:
پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن

جملہ حقوق محفوظ

- نام کتاب : مرنے کا قانونی حق
مصنف : ڈاکٹر عطاء الرحمن
طبع اول : ستمبر ۲۰۰۵ء
تعداد : ۱۰۰۰
کوڈ : 04102
ناشر : منشورات، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ ۵۴۷۹۰
فون: 542 5356 - 543 4909
فیکس: 042 - 543 2194
ای میل: manshurat@hotmail.com
مطبع : قومی پریس، ۵۰ لوئر مال، لاہور۔

قیمت :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نومبر ۲۰۰۰ء کے آخری عشرے میں ہالینڈ کی پارلیمنٹ کے ایوان زیریں نے ”رحم دلانہ قتل“ (Mercy Killing) کے حق کو فرد کی رائے پر چھوڑنے کے لیے منظوری دی ہے اور اس طرح ایک پرانی بحث کو پھر سے چھیڑ دیا ہے۔ قانونی حق کے لیے تو انہوں نے اپنا فیصلہ دے دیا ہے مگر اس مسئلے کی اخلاقی حیثیت ہی دراصل اس بات کا تعین کرے گی کہ ایک انتہائی مہلک مرض میں مبتلا شخص جس کے بظاہر دن گئے جا چکے ہوں اور طب کے ماہرین کے نزدیک بھی وہ لاعلاج ہو اور بدترین اذیت سے گزر رہا ہو، کیا اس کو یہ حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ زہر کا انجکشن خود لگائے یا ڈاکٹر سے درخواست کرے کہ اس کو مرنے میں مدد دی جائے اور اس طرح اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دے۔ کیا فرد کو یہ حق حاصل ہے؟ کیا ڈاکٹر اس کی مدد کر سکتا ہے؟ معاشرے کے دوسرے اذارے اس قسم کے حالات میں کیا کردار اپنائیں؟ وہ بنیادی اصول کون سے ہیں جن کو فرد بطور حق استعمال کر سکتا ہے؟ اس کے سیاسی، معاشرتی، معاشی، قانونی اور اخلاقی پہلو کون سے ہیں جو غور طلب ہیں؟

بنیادی طور پر یہ موضوع ”طب اور فقہ اسلامی“ سے متعلق ہے۔ ہمیں پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ مسئلے کی نوعیت اس وقت کیا ہے؟ ہالینڈ کے ایوان زیریں کی رپورٹ کے حوالے سے ہفت روزہ ٹائم نے لکھا ہے:

بہت پھیلی ہوئی عوامی تائید کی بنیاد پر ہالینڈ کی پارلیمنٹ کے ایوان زیریں نے اس امر کی تائید میں ووٹ دیا ہے کہ مرنے کے اس راستے کو قانونی طور پر تسلیم کیا جائے۔ ایسٹرڈیم

کے ۵۵ سالہ ڈاکٹر ہینک مارٹن لیننے ۲۰ مرتبہ افراد کے۔ مرنے میں مدد کی ہے تاکہ فرد کی زندگی کو طویل کرنے کے بجائے اس کو موت سے ہم کنار کیا جائے۔ اس کے لیے اس نے ”مہربان موت“ (mercy dying) کے الفاظ استعمال کیے۔ اس نے ”رحم دلا نہ قتل“ (mercy killing) کے الفاظ کو پسند نہیں کیا۔ ڈچ پارلیمنٹ میں اکثریت کی طرف سے تائیدی ووٹ اس کے اطمینان کا باعث بنا اور اس نے کہا ہے کہ اب اہم بات یہ دیکھنا ہے کہ دنیا کیا فیصلہ کرتی ہے۔ ایک اچھے طریقے سے پابندیوں سے آزاد یا پابندیوں کے ساتھ موت میں مدد کرنا یا اس کے حصول کی قانونی طور پر کس طرح اجازت دی جائے؟ پارلیمنٹ کے ایوان بالا کو بھی منظوری دینا ہے۔ (۱۱ دسمبر ۲۰۰۰ء)

یہ قانون ایک ڈاکٹر کو اجازت دیتا ہے کہ وہ ایک ایسے مریض کی زندگی کو ختم کرنے میں مدد دے جو لاعلاج (Terminally ill) ہو، شدید درد (Unbearable Pain) میں مبتلا ہو۔ مریض خودکشی میں مدد طلب کرنے کے بجائے ڈاکٹر سے خودکشی کے لیے مشورہ کرے اور اس مشورے میں ایک دوسرے ڈاکٹر کی رائے بھی شامل ہو۔ مریض ۱۶ سال کا ہو اور اگر اس کی عمر ۱۱ اور ۱۶ کے درمیان ہو تو والدین کی رضامندی لی جائے۔

ڈاکٹر لین کہتے ہیں کہ اس کے بوڑھے مریض اور ایڈز (Aids) میں مبتلا مریض جب اس سے یہ بات کہتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میری دانست میں ”میں ایک اچھا کام کرتا ہوں“۔ بقول ڈاکٹر لین: کسی کا قتل اگرچہ ایک غیر فطری اور غیر قدرتی امر ہے اور جس دن میں یہ کام کرتا ہوں وہ بہت بوجھل اور مشکل دن ہوتا ہے۔ مگر دوسرے دن جب میں مرنے والے کے خاندان کے لوگوں کے پاس جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ بوجھ سے آزاد ہیں، بہت ہلکا محسوس کرتے ہیں اور مطمئن ہیں تو میری تشویش ختم ہو جاتی ہے۔

آرا کے جائزے سے پتا چلتا ہے کہ ملک کے ۹۲ فی صد افراد نے اس قانون کے حق میں اپنی رائے دی۔ ڈاکٹر پیٹر ہیلڈ رنگ جو مخالف ڈاکٹروں کی تنظیم کے چیئرمین ہیں، کہتے ہیں کہ

”ضروری ہے کہ ناقابل برداشت درد کے لفظ کے قانونی معنی متعین کیے جائیں۔ طب کی دنیا میں اس لفظ کی تشریح میں بہت اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک سب سے اہم مریض نہیں بلکہ وہ ڈاکٹر ہے جس سے یہ کہا جائے گا کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ مریض کو زندہ رہنا چاہیے یا مر جانا چاہیے۔ جب کہ ڈاکٹر لین کہتے ہیں کہ نیدرلینڈ میں ”موت کی طلب“ پچھلے ۱۰ سالوں میں کم ہوئی ہے کیونکہ ایڈز کے علاج میں بہتری آئی ہے۔ ان کی رائے میں ”ناقابل برداشت درد“ کا فیصلہ مریض کر سکتا ہے ڈاکٹر نہیں۔

فیلکو فرنیڈ ہوف کا بھائی سینڈر جو پانچ سال سے ایڈز کی بیماری میں مبتلا تھا اس کی موت سے پہلے سارے رشتے دار اکٹھے ہوئے سینڈر سے ملے اور اس کے بعد جب سب چلے گئے تو فیلکو ڈاکٹر لین کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اور اس کے بھائی کو زہر کا انجکشن لگا دیا گیا۔ فیلکو کہتا ہے کہ غم تو بہت ہوا مگر اس کے ساتھ یہ آرام ملا کہ تکالیف کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے برعکس ایک مریض (جس برٹ) جو ایڈز کے مرض میں مبتلا تھا تین سال بعد اس وقت فوت ہوا جب صرف اس کی والدہ اس کے ساتھ موجود تھیں۔ فیلکو کہتا ہے کہ میرے لیے یہ احساس بڑا تکلیف دہ تھا کہ جس برٹ اپنی زندگی کے آخری مرحلوں میں بہت زیادہ تنہا تھا۔ ان دو مریضوں کے حالات سے ہر فرد ان دو طرح کی موت کا فرق محسوس کر سکتا ہے۔ اس لیے ہمیں اس قابل ہونا چاہیے کہ ”ناممکن بقا“ کا مسئلہ درپیش ہو تو خود فیصلہ کر سکیں۔ (ٹائمز انٹرنیشنل، ۱۱ دسمبر ۲۰۰۰ء)

موت کے حق (Euthanasia) کے سلسلے میں آسٹریلیا نے جولائی ۱۹۹۶ء میں دنیا کی پہلی مملکت کی حیثیت سے ”رضا کارانہ مہربان موت“ یا قتل کو قانونی طور پر جائز قرار دیا۔ ذہنی طور پر بیدار فرد جو مرض الموت میں مبتلا ہو کسی ڈاکٹر سے زندگی کو ختم کرنے کے لیے امداد طلب کر سکتا ہے بمطابق Right of Terminally ill Act..... عملی طور پر اس قانون کے خلاف مارچ ۱۹۹۷ء میں اپیل کی گئی۔ چار افراد نے قانون کے تحت اپنی زندگیوں کا خاتمہ کیا۔ پروڈیٹ (Prostate) کے سرطان میں مبتلا ۶۶ سالہ باب پہلا آدمی تھا جس نے قانونی طور

پر آسٹریلیا میں زندگی کا خاتمہ چاہا..... سوئٹزرلینڈ میں یہ غیر قانونی ہے مگر کسی کی مدد کرنے پر کوئی سزا نہیں۔ وہاں ”انسانی موت کی سوسائٹی“ کے نام سے تنظیم قائم ہے جو اس معاملے میں قانونی مدد فراہم کرتی ہے۔ عملی طور پر سالانہ ۱۰۰ سے ۱۲۰ کی تعداد میں افراد اس طرح مدد لے کر موت کو اختیار کرتے ہیں۔ (ایضاً)

ریاست کولمبیا میں ۱۹۹۷ء میں عدالت نے فیصلہ کیا ہے کہ اس فرد کو فوجداری مجرم قرار دے کر گرفتار نہیں کیا جائے گا جو انتہائی بیمار شخص کی موت میں مددگار بنے۔ ایسی اموات کی شرح کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سپریم کورٹ نے ۱۹۹۷ء میں فیصلہ کیا کہ کسی کی خودکشی میں مدد کرنے والے ڈاکٹر کا فعل دستوری مسئلہ ہے۔ اس لیے ۲۳ ریاستوں نے اس فعل کو غیر قانونی قرار دیا۔ چھ ریاستوں میں کوئی قانون سرے سے نہیں ہے۔ سوائے اوریگان کے جہاں اسے قانونی جواز دیا گیا ہے۔ Death with Dignity Act 1997 کے مطابق اس بات کی اجازت ہے کہ مریض انتہائی درجے سے متعلق ہو اور زہر کا انجکشن وہ خود اپنے آپ کو لگائے گا۔ ۱۲۷ افراد نے ۱۹۹۹ء میں خود کو قانونی راستے سے موت کے حوالے کیا۔ (ایضاً)

اس موضوع سے متعلق دوسرے پہلو بھی ہیں کہ ایسے بے ہوش مریض کے بارے میں کیسے فیصلہ کیا جائے جس کی دماغی موت (Brain Death) واقع ہو گئی ہو مگر آلات کے ذریعے اس کا تنفس برقرار رکھا گیا ہو اور وہ زندہ ہو؟ یا ایسے مریض کا کیا کیا جائے جس کے لیے ڈاکٹر متفقہ طور پر اس نتیجے پر پہنچ جائیں کہ دوا خون دے کر یا آپریشن کر کے اس کی زندگی بچائی جاسکتی ہے مگر وہ مریض اس بات کی اجازت نہ دیتا ہو؟ کیا مریض کی مرضی کے خلاف علاج کر کے اس کی زندگی بچانے کی کوشش کی جانی چاہیے؟ اس کی قانونی حیثیت کیا ہوگی؟ یہ اور اسی طرح کے مختلف سوالات ہیں جن کا حل تلاش کرنا ضروری ہے۔

ایک فرد جو سمجھتا بوجھتا ہو اور ناقابل برداشت درد میں اور ایسی بیماری سے ہم کنار ہو جو

لا علاج ہو اور آخری مرحلوں کی بیماری ہو کیا اس کو اپنی زندگی کا خاتمہ کر دینا چاہیے؟ اور کیا اس کو یہ قانونی اجازت ملنی چاہیے کہ وہ خود کو موت کے گھاٹ اتار دے؟ کیا کسی ڈاکٹر یا رشتے دار یا معاشرے کے کسی ادارے کو یہ اجازت حاصل ہو کہ مرنے میں وہ اس کی مدد کرے؟ یہ سوال کی ایک صورت ہے جس پر گفتگو کی ضرورت ہے۔ اگر ڈاکٹر اس سلسلے میں مدد نہ کرے تو اس کے انکار کی قانونی حیثیت کیا ہونی چاہیے؟ اور اس انکار کی صورت میں وہ دوسرے ڈاکٹر کی طرف اس مریض کو کس طرح بھیجے گا؟ مریض کی عمر کتنی ہو جب اس کی مرضی کے مطابق اس کی موت میں مدد کی جائے؟ بصورت دیگر وہ کون سے رشتے دار ہیں جو اس کی مدد کر سکتے ہیں؟ ناقابل برداشت درد کا مطلب کیا ہے؟ اسے کون متعین کرے گا اور ناقابل علاج مرض سے کیا مراد ہوگی؟

ایسے سوالات پر ان غیر مسلم ممالک میں زور و شور سے بحث ہو رہی ہے جن کے سامنے اس بات کی بنیادی طور پر کوئی اہمیت نہیں کہ انسان کائنات اور اللہ تعالیٰ کا باہمی تعلق کیا ہے اور ان کے حقوق کیا ہیں اور اس ضمن میں انسانی جان کی اہمیت کیا ہے؟ اس کے بارے میں کسی انسان کو کوئی فیصلہ کرنے کی کتنی حیثیت اور اختیار حاصل ہے؟ فی الواقع اس کو کوئی اختیار حاصل بھی ہونا چاہیے یا نہیں۔ اور اگر ہو تو کیوں؟ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور موجودہ دور میں انسان کو اگر کسی وجہ سے بھی اپنی زندگی کے ختم ہونے کا ادراک حاصل ہو جائے جو ممکن نہیں تب بھی کیا اس کو فطرت کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے یا اپنی مرضی سے اس کرب ناک زندگی سے نجات حاصل کرنے کے لیے براہ راست خود یا کسی کی مدد حاصل کر کے اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دینا چاہیے؟ اس طرح کے بہت سے سوالات کو میں نے چند حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ان میں سے یہاں صرف ایک پہلو سے بحث کی جا رہی ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ ایک فرد جو ہوش و حواس میں ہے (Fully Oriented) ناقابل علاج

مرض میں مبتلا ہے (Terminally ill) ناقابل برداشت درد (Un Bearable)

(Pain) میں ایک کرب ناک صورت حال سے دوچار ہے اور اس کے رشتے دار، تیمار دار بھی سخت قسم کے مستقل اعصابی کھچاؤ میں مبتلا ہیں.....

(۱) کیا وہ خود اپنی زندگی کا خاتمہ کر سکتا ہے؟

(۲) کیا اس کے رشتے دار اس کی زندگی کے خاتمے کے لیے درخواست کر سکتے ہیں جس میں اس کی مرضی بھی شامل ہو؟

(۳) کیا کوئی ڈاکٹر اس سلسلے میں اس کی موت میں مدد کر سکتا ہے؟

اس ضمن میں مغربی ممالک میں ہونے والی بحث اور ان کے سوالات اور قوانین کو میں نے اختصار سے ابتدا میں بیان کر دیا ہے۔

کلیسا کا جواب

اس مسئلے پر کلیسا نے کیا رویہ اختیار کیا؟ اس بارے میں Pope Pius XII کی ۱۹۵۷ء کی ایک تقریر ہے جس میں انہوں نے زندگی کے بچاؤ اور اس کو طویل کرنے والے ”معمولی“ اور ”غیر معمولی“ ذرائع کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے کہا:

When Inevitable Death is Imminent in Spirit of the Means Used, it is Permitted in Conscience to take the Decision to Refuse Forms of Treatment that Would Only Secure a Precarious and Burden Some Prolongation of Life.

جب ایک موت واقع ہو رہی ہو اور یقینی ہو اور تمام ذرائع علاج کے استعمال کے باوجود یہ صورت ہو تو ضمیر اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ اس علاج سے انکار کر دیا جائے جو صرف کرب ناک اور بوجھ والی زندگی کی طوالت کا باعث ہو۔ (Biomedical Ethical Issues ص ۷۸)

اس بات سے کیتھولک چرچ کے افراد نے اختلاف کیا ہے اور ان کی رائے اس کے برعکس ہے۔ اخلاقی اور مذہبی راہبری برائے کیتھولک ذرائع صحت (۱۹۷۱ء) کی ایک رپورٹ میں وہ لکھتے ہیں:

Directly intended Termination of any Patient's life,
Even at his Own Request is Always Morally Wrong.

براہ راست نیت کر کے کسی مریض کی زندگی کا خاتمہ خواہ مریض خود درخواست کرے ہمیشہ اخلاقی طور پر غلط رہا ہے۔ (Biomedical Ethical Issue, 1984) ص

(۷۹)

اس مسئلے پر کہ کسی مریض کی زندگی کا خاتمہ اس کی درخواست پر کیا جائے، مسئلے کا ایک پہلو ہے جس پر دو مختلف آرا سامنے آتی ہیں اور اس ضمن میں پوپ کی بات سے ایک دوسرا سوال ابھرتا ہے کہ کیا مریض علاج روک دئے، کیا وہ علاج کو روک سکتا ہے؟ کیا وہ اس علاج کرنے سے ہاتھ کھینچ لے جو اس کی تکلیف میں تو کمی نہیں کرتا مگر اس کی زندگی میں اضافہ کا باعث ہے؟

اسلام کا جواب

ایک مریض جو ہوش و حواس میں ہو اور ناقابل علاج مرض میں مبتلا ہو اور ناقابل برداشت درد سے ہم کنار ہو، کیا اس کو اپنی زندگی ختم کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یا کوئی ڈاکٹر اس کی مدد کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس ضمن میں اسلام کا جواب نفی میں ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ زندگی کا بچانا فرض ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي

الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ط وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ
جَمِيعًا (المائدہ ۵: ۳۲)

”ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا تھا (کتب بمعنی فرض کرنے کے ہیں) کہ اگر کسی کو قتل کیا،
بغیر کسی قتل نفس کے جرم کے یا زمین میں فساد کے جرم کے پس وہ ایسا ہے جیسے سارے
انسانوں کو قتل کر دے اور جس کسی نے کسی کی زندگی بچائی وہ ایسا ہے جیسے سارے
انسانوں کی زندگی بچائے۔“

زندگی کی اہمیت کا اندازہ خود اس بیان سے ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی کی کیا اہمیت ہے۔
پھر اس کو بچانے کی کیا اہمیت ہے اور دوسرے کی زندگی کو بچانا جب اس قدر ضروری ہے
تو پھر اپنی زندگی کی قیمت کا اندازہ کیجیے۔

۲۔ زندگی بچانے کے لیے اضطرار میں حرام کا استعمال:

زندگی بچانے کے لیے چار حرام کردہ چیزوں کو یعنی ۱۔ المیتة (مردار) ۲۔ دم
مسفوحا (بہتا ہوا خون) ۳۔ لحم الخنزیر (سور کا گوشت) ۴۔ وما اهل به
لغير الله (غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو) جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے کھانے
کی اجازت دی گئی ہے مگر ایک شرط کے ساتھ۔ وہ شرط یہ ہے:

فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ (البقرہ ۲: ۱۷۳)

”ہاں جو شخص مجبوری کی حالت میں ہو اور وہ ان میں سے کوئی چیز کھالے بغیر اس کے کہ
وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو یا ضرورت کی حد سے تجاوز کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔“

گویا یہ مضطر کے لیے جائز ہے بلکہ ایسے موقع پر حرام کا نہ کھانا خود کشی کے مترادف ہے جو
حرام سے شدید تر ہے۔ (تفسیر کبیر، قرطبی، روح المعانی، البحر المحیط، تفسیر ماجدی)

تفسیر زیر آیت، سورہ البقرہ ۲: ۱۷۳)

جان جانے کی مختلف صورتیں ہیں: ۱۔ مرض ۲۔ بھوک ۳۔ حرام کھانے پر کوئی مجبور کر رہا ہو

اور جان جانے کا خطرہ ہو۔ مجبوری کے ختم ہونے تک اس کی اجازت ہے۔ ”اضطر“
 اضطراراً“ ضرورت سے مشتق ہے اور اس کے باب افتعال سے مطلب یہ ہے کہ
 شدید ضرورت کے وقت ان حرام غذاؤں کو بھی بہ قدر کفایت کھایا جا سکتا ہے
 (ایضاً)۔ بھوک کی شدت، ناداری اور افلاس کے باعث، مرض کی بنا پر وہ حرام نہ کھائے تو
 یقینی طور پر مارا جائے گا۔ ان صورتوں میں حرام کھانا واجب ہے۔ یعنی اگر نہ کھائے اور مر
 جائے تو حرام موت مرے گا۔ اس لیے کہ حفظ نفس اولین فرض میں سے ہے (حدائق
 بخشش (کامل) مرتبہ: ٹمس بریلوی، ۱۹۷۶ء، مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ،
 کراچی)۔ اضطرار سے مراد اضطرار حقیقی ہے نہ کہ تاویلی۔

۳۔ جان بچانے کے لیے کلمہ کفر کہنے کی رخصت:

اس کا ذکر قرآن میں ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ
 شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ جَ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (النحل: ۱۰۶)

”جو اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کرے گا، بجز اس کے جس پر جبر کیا گیا ہو اور اس کا دل
 ایمان پر جما ہوا ہو، لیکن جو کفر کے لیے سینہ کھول دے گا تو ان پر اللہ کا غضب اور ان کے
 لیے عذاب عظیم ہے“.....

فرمایا کہ جو لوگ اعدائے حق کے شکنجے میں ہیں ان کے لیے اس بات کی تو گنجائش ہے کہ وہ
 قلباً ایمان پر جمے رہتے ہوئے محض زبان سے کوئی کلمہ ایسا نکال دیں جس سے ان کی جان
 کے اس مصیبت سے چھوٹ جانے کی توقع ہو۔ (تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی،
 ج ۳ تفسیر سورہ نحل، آیت ۱۰۶)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اسی آیت کی تشریح میں عزیمت کے زمرے میں حضرت
 بلال حبشیؓ، حضرت حبیب بن زیدؓ بن عاصم کا ذکر کرنے کے بعد رخصت کا پہلو بیان

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دوسری طرف عمار بن یاسرؓ ہیں جن کی آنکھوں کے سامنے ان کے والد اور ان کی والدہ کو سخت عذاب دے دے کر شہید کر دیا گیا، پھر ان کو اتنی ناقابل برداشت اذیت دی گئی کہ آخر کار انہوں نے جان بچانے کے لیے وہ سب کچھ کہہ دیا جو کفار ان سے کہلوانا چاہتے تھے۔ پھر وہ روتے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

یا رسول اللہ ما ترک حتی سبتک و ذکرک الہتہم بخیر

”یا رسول اللہ مجھے نہ چھوڑا گیا جب تک کہ تمہیں نے آپ ﷺ کو برا اور ان کے معبودوں کو اچھا نہ کہہ دیا۔“

حضور ﷺ نے پوچھا:

کیف تجد قلبک

”اپنے دل کا کیا حال پاتے ہو؟“ عرض کیا:

مطمئننا بالایمان

”ایمان پر پوری طرح مطمئن۔“

اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

ان عادوا فعد

”اگر وہ پھر اس طرح کا ظلم کریں تو تم پھر یہی باتیں کہہ دینا۔“

(تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۵۷۵)

۳۔ موت کی آرزو کی ممانعت:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”مرنے کی آرزو نہ کرو، جان کنی کا خوف سخت ہے۔ بے شک نیک نیتی یہ ہے کہ بندے

کی عمر لمبی ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی اطاعت نصیب فرمائے۔“ (بخاری، مسلم)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے کوئی موت کی خواہش نہ کرے۔ اگر وہ نیک ہے تو امید ہے جب تک زندہ رہے گا اس کی نیکیوں میں اضافہ ہوگا اور اگر اس کے اعمال خراب ہیں تو ہو سکتا ہے کہ آئندہ زندگی میں وہ توبہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو راضی کر لے۔“ (بخاری)

۵۔ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ ۲: ۱۹۵)

”اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔“

امام راغب اصفہانی ”تہلکہ“ کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ما یودی الی الہلاک وہ چیز جو انسان کو ہلاکت کی طرف لے جائے۔ (مفردات امام راغب، ص ۵۴۵) آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم خدا کے دین کو سر بلند کرنے کے لیے اپنا مال خرچ نہ کرو گے اور اس کے مقابلے میں اپنے ذاتی مفاد کو عزیز رکھو گے، تو یہ تمہارے لیے دنیا میں بھی موجب ہلاکت ہوگا اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں تم کفار سے مغلوب اور ذلیل ہو کر رہو گے اور آخرت میں تم سے سخت باز پرس ہوگی۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۱۵۳)

اسباب موت سے فرار کے احکام کے زمرے میں مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

جو چیزیں عادتاً موت کا سبب ہوتی ہیں ان سے فرار مقتضای عقل بھی ہے مقتضای شرع بھی۔ رسول اللہ ﷺ ایک جھکی ہوئی دیوار کے نیچے سے گزرے تو تیزی کے ساتھ نکل گئے۔ اس طرح اگر کہیں آگ لگ جائے وہاں سے نہ بھاگنا، عقل و شرع دونوں کے خلاف ہے۔ (معارف القرآن، ج ۸، ص ۴۳۸)

باقی رہا طاعون یا وبا جس بستی میں آجائے اس سے بھاگنا، یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جس کی تفصیلات فقہ و حدیث میں مذکور ہیں وہاں دیکھی جاسکتی ہیں۔

جدید طب نے وبا کے بارے میں حدیث میں بیان شدہ تدابیر کو ہی اختیار کیا ہے کہ جہاں وبا ہو وہاں داخل نہ ہونا چاہیے اور جو وہاں موجود ہو اس کو وہاں سے نہ نکلنا چاہیے (الحدیث)۔ قرظیہ کے اصول بھی اسی طرح متعین کیے گئے۔ حضرت عمرؓ نے پہاڑوں میں بکھرنے کی اجازت دی تھی (یہ ان کا اجتہاد تھا)۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف ہی دوڑتے ہیں۔

۶۔ خود کشی حرام ہے:

(الف) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے پہاڑ سے گرا کر اپنے آپ کو ہلاک کر لیا تو وہ دوزخ میں بھی اسی طرح اپنے آپ کو گراتا رہے گا اور جس کسی نے تیز دھار ہتھیار سے خود کشی کی تو دوزخ میں بھی خود اپنے ہاتھ سے اپنے پیٹ پر وار کرتا رہے گا۔

(ب) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص کسی مصیبت کی وجہ سے جو اس کو پہنچی ہو ہرگز موت کی آرزو نہ کرے اور اگر کسی وجہ سے ایسا کرنا چاہتا ہو تو اس کو ایسے دعا کرنی چاہیے کہ اے خدا مجھ کو اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میری زندگی میرے لیے مفید ہے اور مجھے موت دے اگر میری موت میرے لیے مفید ہے۔

نسائی کی روایت میں جو قیس بن ابو حازم سے مروی ہے اس طرح مذکور ہے کہ جناب کے پاس گیا تو ان کے پیٹ پر سات داغ دیے گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے کاش رسول ﷺ نے ہم کو موت مانگنے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں ضرور موت مانگتا۔ (النسائی، مجموعہ الصحاح، (عربی اردو) کتاب تمنی الموت، ص ۳۵۲، مکہ پبلشنگ کمپنی، لاہور)

(ج) حضرت جناب بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم

سے پہلے قوموں میں ایک شخص کو زخم تھا۔ وہ شدت تکلیف سے گھبرا گیا۔ پھر چھری لی اور اس سے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے اپنی ذات کے معاملے میں میرے فیصلے پر سبقت کی کوشش کی (الحدیث)۔

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں کہ حدیث میں موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کسی شخص کو دنیا میں یہ یقین کرنے کا حق نہیں ہے کہ وہ مرتے ہی جنت میں ضرور جائے گا اور کسی قسم کے عذاب کا اس کو خطرہ نہیں تو ایسی حالت میں موت کی تمنا کرنا اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بہادری جتانے کے مترادف ہے۔ (معارف القرآن، ج ۸ ص ۴۳۸)

۷۔ علاج لازمی ہے:

اس ضمن میں گذشتہ صفحات میں دلیل نمبر ۲ میں تفصیل مذکور ہیں۔ حکم ہے کہ بیماریوں کا علاج کراؤ، اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کے سوا سب بیماریوں کا علاج پیدا کیا ہے۔ فرمایا: لکل داء دواء (الحدیث)۔ اس ضمن میں علاج میں ہر حرام شے بھی حلال ہو جاتی ہے اگر جان بچ سکے۔ ملاحظہ فرمائیں دلیل نمبر ۲۔

۸۔ اذیت اور تکالیف گناہوں کی بخشش کا ذریعہ:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ
وَالشَّمْرِاتِ وَبَشِيرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا
إِلَيْهِ رَاغِبُونَ ۝ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قَفٍ وَأُولَئِكَ هُمُ
الْمُهْتَدُونَ ۝ (البقرہ ۲: ۱۵۵-۱۵۷)

”اور ہم ضرور تمہیں کچھ خوف و خطر فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھٹانے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ”ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے“۔ انہیں خوش خبری دے دو۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی

عنایات ہوں گی اُس کی رحمت اُن پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔
یعنی انتہائی درجے کی تکالیف کا ذکر ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
مسلمان کو جو بھی مصیبت، جو بھی بیماری، جو بھی پریشانی، جو بھی کڑھن، جو بھی رنج، جو بھی
اذیت اور جو بھی غم و اندوہ پہنچتا ہے یہاں تک کہ کانٹا چبھتا ہے تو خدا اس کے سبب اس
کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

۹۔ حضرت ایوبؑ کا اسوہ:

حضرت ایوبؑ کا اسوہ انہیں جسمانی بیماری کے انتہائی درجے میں مبتلا کر کے صبر کے
حوالے سے مثال بنایا گیا ہے۔ اس لیے کہ لا علاج ہونا اور بے انتہا درد کا ہونا بھی انسان
کے لیے آزمائش ہے۔ لہذا دیکھا جائے کہ وہ اللہ کی طرف سے موت کی مقررہ گھڑی کا
انتظار کرتا ہے یا اپنی مرضی کی طرف بڑھتا ہے اور خود کو ہلاک کر دیتا ہے۔ یہی اصل
آزمائش ہے۔ لہذا مایوسی کفر ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

وَإِذْ كُنَّا عَبْدًا لَّيُوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسْنِي الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ۝
(ص ۳۸: ۴۱)

”اور ہمارے بندے ایوبؑ کا ذکر کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے
مجھے سخت تکلیف اور عذاب میں ڈال دیا ہے۔“

یہ مطلب نہیں ہے کہ شیطان نے مجھے بیماری میں مبتلا کر دیا ہے اور میرے اوپر مصائب
نازل کر دیے ہیں، بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ بیماری کی شدت، مال و دولت کا ضیاع،
اور اعزہ و اقربا کے منہ موڑ لینے سے میں جس تکلیف اور عذاب میں مبتلا ہوں، اُس سے
بڑھ کر تکلیف اور عذاب میرے لیے یہ ہے کہ شیطان اپنے وسوسوں سے مجھے تنگ کر رہا
ہے، وہ ان حالات میں مجھے اپنے رب سے مایوس کرنے کی کوشش کرتا ہے، مجھے اپنے

رب کا ناشکر بنانا چاہتا ہے اور اس بات کے درپے ہے کہ میں دامن صبر ہاتھ سے چھوڑ بیٹھوں۔ حضرت ایوبؑ کی فریاد کا یہ مطلب ہمارے نزدیک دو وجوہ سے قابل ترجیح ہے۔ ایک یہ کہ قرآن مجید کی رو سے اللہ تعالیٰ نے شیطان کو صرف دوسوہ اندازی ہی کی طاقت عطا فرمائی ہے یہ اختیارات اس کو نہیں دیے ہیں کہ اللہ کی بندگی کرنے والوں کو بیمار کر دے اور انہیں جسمانی اذیتیں دے کر بندگی کی راہ سے ہٹنے پر مجبور کرے۔ دوسرے یہ کہ سورہ انبیاء میں جہاں حضرت ایوبؑ اپنی بیماری کی شکایت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتے ہیں وہاں شیطان کا کوئی ذکر نہیں کرتے بلکہ صرف یہ عرض کرتے ہیں کہ

أَنِّي مَسْنِي الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ

”مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے۔“ (تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۳۴۰)

۱۰۔ مایوس نہ ہونا اور زندہ رہنے کی کوشش، ایمان کی علامت:

قَالُوا بَشَرْنَاكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝ قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ
إِلَّا الضَّالُّوْنَ ۝ (الحجر ۱۵: ۵۵-۵۶)

”انہوں [فرشتوں] نے جواب دیا، ”ہم تمہیں برحق بشارت دے رہے ہیں تم مایوس نہ ہو۔“ ابراہیم نے کہا ”اپنے رب کی رحمت سے مایوس تو گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔“

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۚ (الزمر ۳۹: ۵۳)

”اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔“

وَلَا تَأْتِسُوا مِنْ رُوحِ اللّٰهِ ط إِنَّهُ لَا يَأْتِسُ مِنْ رُوحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُونَ ۝
(یوسف ۱۲: ۸۷)

”اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔“

وَإِذَا نَعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَا بَٰجَانِيْهِ جَ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ

يَتُوسَّأُ ۝ (بنی اسرائیل ۱۷: ۸۳)

”انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اس کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ اینٹھتا اور پیٹھ موڑ لیتا ہے اور جب ذرا مصیبت سے دوچار ہوتا ہے تو مایوس ہونے لگتا ہے۔“

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (الحديد ۵۷: ۲۲-۲۳)

”کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں تمہارے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب (یعنی نوشتہ تقدیر) میں لکھ نہ رکھا ہو۔ ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے۔ (یہ سب کچھ اس لیے ہے) تاکہ جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہو اس پر تم دل شکستہ نہ ہو اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اس پر پھول نہ جاؤ۔ اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں۔“

صاحب تفہیم القرآن فرماتے ہیں:

تم پر کوئی مصیبت بھی معاذ اللہ تمہارے رب کی بے خبری میں نازل نہیں ہو گئی ہے۔ جو کچھ پیش آرہا ہے یہ سب اللہ کی طے شدہ اسکیم کے مطابق ہے جو پہلے سے اس کے دفتر میں لکھی ہوئی موجود ہے۔ اور ان حالات سے تمہیں اس لیے گزارا جا رہا ہے کہ تمہاری تربیت پیش نظر ہے۔ جو کار عظیم اللہ تعالیٰ تم سے لینا چاہتا ہے اس کے لیے یہ تربیت ضروری ہے۔ اس سے گزارے بغیر تمہیں کامیابی کی منزل پر پہنچا دیا جائے تو تمہاری سیرت میں وہ خامیاں باقی رہ جائیں گی جن کی بدولت نہ تم عظمت و اقتدار کی ثقل خوراک ہضم کر سکو گے اور نہ باطل کی طوفان خیز موجوں کے تھیٹرے سہہ سکو گے۔

(تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۳۲۰)

علامہ مفتی محمد شفیع صاحب نے لکھا ہے:

کیونکہ اس کو علم غیب حاصل ہے اور ہم نے یہ بات اس واسطے بتلا دی ہے تاکہ جو چیز تم

سے جاتی رہے (تندرستی یا اولاد یا مال) تم اس پر (اتنا) رنج نہ کرو (جو حق تعالیٰ کی مرضی کے طلب کرنے اور آخرت کے امور میں مشغول ہونے میں رکاوٹ ہو جائے اور طبعی تکلیف کا مضائقہ نہیں)۔ (معارف القرآن، ج ۸، ص ۳۱۷-۳۱۸)

تفسیر روح المعانی میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ہر انسان طبعی طور پر بعض چیزوں سے خوش ہوتا ہے اور بعض سے غمگین۔ لیکن ہونا یہ چاہیے کہ جس کو کوئی مصیبت پیش آئے وہ اس پر صبر کر کے آخرت کا اجر و ثواب کمائے اور جس کو کوئی راحت و خوشی پیش آئے وہ اس پر شکر گزار ہو کر اجر و ثواب حاصل کرے۔ (ایضاً، ص ۳۱۹)

۱۱۔ اللہ کے حق میں تعارض نہ کیا جائے:

زندگی دینے کا فیصلہ جس نے کیا ہے اس کو یہ حق حاصل ہے کہ زندگی کے خاتمے کا فیصلہ کرے۔ یہ حق خالق کا ہے اور اس کے حق میں تعارض (جھگڑنا) اور اس کے فیصلے کے بجائے اپنی مرضی کی پیروی فکری اعتبار سے بہت بڑا جرم ہے اور کائنات کے منصوبہ شدہ نظام سے بغاوت ہے اور منصوبہ بندی کرنے والے کو رب نہ مانتا ہے۔ اس لیے موت کی تمنا، اس کو حاصل کرنے کے حق کا مطالبہ کرنا، اور موت کے لیے کسی سے مدد کرنے کے لیے کہنا یا موت سے کسی بیمار کو ہم کنار کرنا، علاج سے پرہیز کر کے موت کی طرف بڑھنا، یا کسی کو موت سے بچانے کی آخری کوششوں کو ترک کرنا، یہ تمام حرکات اور فیصلے بنیادی طور پر کفرانہ اور ملحدانہ ذہنیت کی پیداوار ہیں۔ اس لیے جو افراد یا قومیں اپنی موت کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں تو اس قسم کے کسی فرد یا قوم کے بارے میں کسی کو حیرت نہیں ہونی چاہیے جو پہلے ہی کائنات کے کسی خالق کو نہیں مانتے اور نہ ہی کسی ایسے مقصد کے قائل ہیں جس کے لیے انسان کو زندگی دی گئی ہے اور موت کے بعد کسی زندگی کا وہ تصور ہی نہیں رکھتے۔

اس کے برعکس جو غائبانہ طور پر رب کائنات کو تسلیم کرتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے لیے ارشاد قرآنی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ (الملك ۱۲:۶۷)
 ”جو لوگ بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں، یقیناً ان کے لیے مغفرت ہے اور بڑا اجر۔“

اور پھر ان کے نزدیک زندگی اور موت کی تخلیق کا مقصد ہے کہ:

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝ (الملك ۲:۶۷)
 ”جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔“

وہ دنیا مزرعۃ الاخرۃ کے پیش نظر دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھتے ہوئے اخروی زندگی کو حقیقی زندگی تصور کرتے ہیں۔ دنیا داروں کی روش پر قرآن یوں تبصرہ کرتا ہے:

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْآخِرَةَ خَيْرٌ وَأَبْقَى (الاعلیٰ ۱۶:۸۷-۱۷)
 ”مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔“
 ایسے افراد اور مملکتوں کے بارے میں یہ تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ رحم دلانہ موت یا قتل جیسی فضول باتوں پر کسی پہلو سے غور کریں۔ جو فرد بھی اپنی اور کائنات کی تخلیق، مقصد اور انجام کی حقیقت سے آگاہ ہو اور ان رشتوں اور حقوق کو پہچان گیا ہو جو خالق اور مخلوق اللہ اور بندے کے درمیان پیدا کیے گئے ہیں وہ خالق کے حق میں تعارض سے ہی کانپ اٹھتا ہے۔

۱۲۔ ایمان کا تقاضا راضی بہ رضا ہونا ہے:

اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا، اس کی آزمائشوں پر صبر کرنا، اور اس کی نعمتوں پر شکر کرنا، بس یہی تین کیفیات ہیں جو دنیاوی زندگی میں جس نے طاری کر لیں وہ کامیاب رہا۔ حدیث قدسی میں آتا ہے:

وَمَنْ لَمْ يَرْضَ بِقَضَائِي وَلَمْ يَصْبِرْ عَلَى الْبَلَائِي وَلَمْ يَشْكُرْ عَلَى النِّعْمَائِي
فَقُلْ أُخْرِجْ مِنْ تَحْتِ السَّمَائِي وَادْعُوا رَبًّا سَوَائِي۔

جو میری مرضی پر راضی نہ ہوا، جس نے میری آزمائشوں پر صبر نہ کیا، جس نے میری
نعمتوں کا شکر نہ کیا، آپ ﷺ کہہ دیجیے، میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے اور
میرے علاوہ کسی اور رب کو پکارے۔

سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ہے:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (۲۳:۱۷)

”تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت (غلامی، بندگی، اطاعت) نہ کرو
مگر صرف اس کی۔“

غلامی اور بندگی اور عبادت ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ عملی طور پر پرستش و فاداری اور
اطاعت کا سزاوار وہی ہے۔ اس کے ساتھ فکری طور پر موت اور زندگی کے بارے میں
اس کے فیصلے کا انتظار اور اس کی رضا کی طرف دیکھنا ہی عبادت ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ ہم میں سے جب بھی کوئی
فحش بیمار پڑتا تو آپ ﷺ اپنا داہنا ہاتھ اس کے جسم پر پھیرتے اور دعا فرماتے:

أَذْهَبِ الْبَاسَ رَبِّ النَّاسِ وَأَشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءَ لَا
يُغَادِرُ سَقَمًا (بخاری، مسلم)

”اے انسانوں کے پروردگار! اس مریض کا دکھ دور فرما دے اور اس کو شفا عطا فرما۔ تو ہی
شفا دینے والا ہے۔ شفا دینا تو تیرا ہی کام ہے، ایسی کامل شفا عطا فرما کہ بیماری کا نام و
نشان نہ رہے۔“

یہ دعا Prolongation of Life کے لیے ہی تو ہے۔ اللہ سے زندگی مانگنا دراصل
اس کو اپنے سارے معاملات کا حل اور مادی تصور کرنا ہے۔ یہی توحید ہے، یہی عبادت ہے۔
وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي

سَيَدُ خُلُوفٍ جَهَنَّمَ دَخِرِينَ ۝ (المؤمن ۴۰:۶۰)

”تمہارا رب کہتا ہے“ مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا جو لوگ گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، ضرور وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔“
یعنی جو اللہ سے دعا نہیں مانگتے وہ جہنم کے مستحق ٹھہریں گے۔ گویا دعا مانگنا عین عبادت ہے۔
حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”جب تم مریض کی عیادت کو جاؤ تو اس کی مہلت عمل کے بارے میں اس کا غم غلط کرو اور تسلی تشفی کی باتیں کرو، اگرچہ تمہاری ان باتوں سے قضا تو نہیں مل سکتی لیکن مریض خوشی ضرور محسوس کرے گا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

ان ۱۲ دلائل کی روشنی میں زیر بحث مسئلے کا تشفی بخش جواب سامنے آتا ہے کہ کسی قسم کا علاج مرض (Terminally ill) یا انتہائی درجے کا درد (Unbearable Pain) ہو اور مریض کے ہوش و حواس قائم ہوں، یہ جائز نہیں بلکہ حرام ہے کہ وہ خود اپنی موت کی کوشش کرے یا کسی سے موت کے حصول کے لیے مدد کی درخواست کرے اور یہی حکم اس کے رشتے داروں کے لیے بھی ہے۔ اسی طرح کسی معاشرے اور حکومت کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ اس امر کی حمایت میں کوئی قانون سازی کرے۔

اس بحث کے تسلسل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ مریض بے ہوش ہو اور اس کا فیصلہ نہ جانا جاسکتا ہو تو کس حد تک انتظار کیا جائے؟ مصنوعی دوا یا خوراک کو کب تک جاری رکھا جائے؟
دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مریض کی دماغی موت واقع ہو چکی ہو۔ موت کیا ہے؟ اس کے معلوم کرنے کے طریقے کیا ہیں؟ اور اس کا حتمی فیصلہ کیسے کیا جائے؟ اس کی جسمانی زندگی برقرار رکھنے والا علاج جس میں خوراک، دوا اور تنفس کو برقرار رکھنے اور نہ رکھنے کا فیصلہ کس طرح کیا جائے؟ یہ سب امور قابل بحث ہیں۔

خُزْم مُرَاد کی یہ کتب بھی پڑھیے:

رب کا پیام

رب العالمین نے انسان کو دنیا میں بھیجا تو اس سے عہد لیا: **السنۃ ہی مکم**. ہم نے کہا: ہاں۔ مگر ہم یہ عہد بھول جاتے ہیں۔ یاد دلانے کے لیے رب نے ہر زمانے اور ہر علاقے میں اپنے پیامبر بھیجے تاآنکہ آخری رسولؐ: آخری پیغام قرآن عظیم لے کر آئے۔ آج امت مسلمہ تاریخ کے جس نازک موڑ پر کھڑی ہے اس کے لیے راہ نجات رجوع الی القرآن ہے تاکہ وہ اپنے رب کے پیام کو سمجھے، عروج و ترقی کی منزل طے کرے اور قیادت عالم کا اس کا حق اے واپس لے۔

خُزْم مُرَاد نے زندگی اس پیام کو سمجھنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے میں صرف کی۔ ان کی ۱۴ مختصر درس قرآن کا یہ مجموعہ آپ کے لیے ہے۔ ★ یہ آپ کی ضرورت ہے

خوب صورت پیش کش

صفحات: 172۔ ہدیہ: 75 روپے

قرآن کا راستہ

Way To the Quran کا اردو ترجمہ

زندگی کا سفر طے ہر شخص نے کرنا ہے
یہ سفر قرآن کے راستے پر طے کرنے کے لیے
ایک راہ نما کتاب

قرآن سیکھنا چاہنے والوں کی ناگزیر ضرورت

صفحات: 176۔ ہدیہ: 75 روپے

نقد یا ڈرافٹ کے ساتھ آرڈر دیں یا وہی طلب کریں

لاہور: منسورہ ملتان روڈ۔ 54790 فون: 042-542 5356 فیکس: 042-543 2194

کراچی: ڈیسٹ تک پوائنٹ 57/V بلاک 5، گلشن اقبال۔ فون: 021-4967661

اسلام آباد: ایسویک شاپ شاپ نمبر 3، کرن بلازہ F-6 مرکز۔ فون: 051-2261356

منشورات

manshurat@hotmail.com